ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154

Volume.7, Issue.2 (2024)
(April-June)

ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154

A Thematic Study of No Lakhi Kothi
نو لکھی کوٹھی کا موضوعاتی مطالعہ

Nida Ghaffar
Dr. Aasma Rani
MS Urdu Kehror Pacca
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt Sadiq College Women University, Bahawalpur

Abstract:
"No Lakhi Kothi" is a moderate period novel. The new generation gets a chance to get acquainted with their past in the sub-continent by reading this novel. On the canvas of Ghulam Hyder and Sudha Singh's family rivalry, civilization, culture, religion, neo-colonialism, post-colonialism, customs, politics, society, lifestyle, and its negative and positive trends of the subcontinent are celebrated in the novel. Two types of sayings have been described in the book. On the one hand, the British imperial style of government has been seen and on the other hand, the characteristics, customs, and other attitudes of the local people have also come to the fore. No Lakhi Kothi is a novel that explores the past of subcontinent people. Since the novelist reflects his era, Ali Akbar Natiq has described the decline of the British Raj before independence instead of his era. The purpose of this article is to highlight the theme of this Novel especially, Migration Partition, Post-Partition Events, economy, socio-economic issues, neo-colonialism, post-colonialism, customs, politics, society, and lifestyle of subcontinent people.
Key Words: Ali Akbar Natiq, No Lakhi Kothi, William, neo-colonialism, post-colonialism, Migration Partition.

ناول کی اہمیت کا انکار کسی بھی ادب میں ممکن نہیں آج کے تیز دور میں جب انسان کا وقت بھی کیلکولیٹر پر تقسیم ہے ادب سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے لئے زیادہ طویل ناول اور داستان پڑھنا مشکل ہے زیادہ طویل ناول بھی طویل نظم کی طرح اپنا طلسم ختم کر دیتا ہے۔ اگر ادب میں ناول کی صنف کا جائزہ لیں تو ناول میں ادب برائے ادب اور ادب برائے مقصد دونوں نظر آتے ہیں ناول میں ناول نگار اپنے کسی خاص نقطہ کو خاص زاویہ سے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر ناول کیا ہے جائزہ لیا جائے تو۔ "شعر کی طرح ناول بھی ادب کی ایک شاخ ہے "(۱)

کسی بھی ناول میں سماجی، تاریخی اور سیاسی شعور کا ہونا ضروری ہے تاریخی شعور کے بغیر پس منظر سے آگہی نہیں ہو سکتی اسی طرح پیش منظر کے لیے سماجی شعور کا ہونا لازم ہے۔ "نو لکھی کوٹھی" کے بارے میں اسامہ صدیق کہتے ہیں۔:

"اس ناول میں ہندوستان میں گردش کرتے ہوئے عمومی نظریے کو رد کیا ہے۔ کہانی بہت دلچسپ اور کردار حقیقت کے اتنے قریب ہیں کہ انھیں میں جنم لیتا ہے۔ یہ ناول اردو ادب کے لئے ایک حقیقی نعمت ثابت ہوا ہے "(۲)

ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
GUMAN
Volume.7, Issue.2 (2024)
(April-June)

علی اکبر ناطق اردو فکشن کے معماروں میں عمدہ اضافہ ہیں۔ان کی تحریروں میں کئی جہان پوری آب وتاب کے ساتھ نظر آتے ہیں ان کے موضوعات کی وسعت و گہرائی اور اسالیب کا تنوع حیرت انگیز ہے ۔"نولکھی کوٹھی" علی اکبر ناطق کی شہرت اور ان کی ادبی دنیا کا چمکتا ہوا تارا ہے یہ ناول ہجرت اور ہجرت کے بعد کا غم سناتا ہوا نظر آتا ہے جس نے اس دور کے سیاسی، معاشی،اور معاشرتی مسائل کو بڑی باریک بینی اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہ ناول (۸۴۴) چار سو اڑتالیس صفحات اور چھپن ابواب پر مشتمل ہے جس میں برصغیر میں وسطی پنجاب کے حالات، تقسیم کے نتیجے میں ہونے والے فسادات اور جائیداد کی تقسیم میں بااثر افراد کا لوٹ مار مچانا واضح طور پر دیکھا گیا ہے۔ناول کا موضوع اور عنوان طلسماتی سا محسوس ہوتا ہے ناول کا نام پڑھ کر ہی دلچسپی پیدا ہوتی ہے کہ آخر اس ناول میں کون سی کہانی بیان کی جائے گی۔

"نولکھی کوٹھی" ایک معتدل دورانیے کا ناول ہے نئی نسل کو اس ناول کے مطالعے سے برصغیر میں اپنے ماضی سے آشنا ہونے کا موقع ملتا ہے غلام حیدر اور سودھا سنگھ کی خاندانی دشمنی کے کینوس پر برصغیر کی تہذیب، ثقافت، مذہب، نوآبادیات، مابعد نوآبادیات، رسم و رواج، سیاست، معاشرت، رہن سہن اور اس کے منفی اور مثبت رجحانات سامنے آتے ہیں ناول میں دو طرح کی کہانیاں بیان کی گئی ہیں ایک طرف انگریز سامراج طرز حکومت کو دیکھایا گیا ہے اور دوسری طرف مقامی کالوں کی خصلتوں، رسم و رواج اور دیگر رویئے بھی سامنے آئے ہیں۔ نولکھی کوٹھی ایک عظیم بیانیے کو دریافت کرتا ہوا ناول ہے۔ناول نگار چونکہ اپنے عہد کا عکاس ہوتا ہے لیکن ناطق صاحب نے اپنے عہد کی بجائے آزادی سے پہلے انگریز سامراج کے زوال کو بیان کیا ہے۔

بیسویں صدی کا دور وہ دور ہے جب یورپ نئے عالمی نظام کی بنیاد رکھ چکا تھا اور پوری دنیا مختلف سیاسی تبدیلیوں کا شکار نظر آتی ہے اور اسی دور کے سیاسی حالات کو ناطق صاحب نے اپنے ناول میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے اس ناول کا موضوع سرزمین ہندوستان پر برطانوی سامراج کا زوال، مسلم سکھ فسادات اور روایتی دشمنی ہے ناول میں ہندوستان کا جو دور دیکھایا گیا ہے وہ ۱۹۲۵ء کے زمانے پر محیط ہے ناول میں قیام پاکستان کے بعد کا عرصہ بھی بڑی خوبصورتی سے دیکھایا گیا ہے۔اسی دور میں برطانوی سامراج کی گرفت ہندوستان پر کمزور ہو رہی تھی اور آزادی حاصل کرنے کے لئے کئی تحریکیں زوروں پر تھی بیسویں صدی میں نوآبادیات اور مابعد نوآبادیات جیسے موضوعات نے جڑیں مضبوط کیں تھیں ۔ آج یہ موضوعات دنیا میں نصاب کا حصہ بن چکے ہیں یہ ایک ایسا دور تھا جس میں ظلم، استحصال اور مشرقی باشندوں کی غلامانہ سوچ کو موضوع بنایا گیا تھا۔اگر پاکستان اور بھارت میں اس دور کے ادب کی بات کی جائے تو آج بھی نوآبادیات اور مابعد نوآبادیات کی جھلک دیکھائی دیتی ہے ۔ایسے ہی حالات ہمیں "نولکھی کوٹھی" میں نظر آتے ہیں جس میں انگریز سامراج کے استعمار کی طاقت کا زوال دیکھایا گیا ہے ہندوستان میں استعمار کی جو شکل نظر آئی وہ گورے یعنی انگریز اور کالے یعنی مقامی لوگوں کے درمیان آقا اور غلام کی تھی چند ہزار گورے استعمار کی طاقت لیے کروڑوں ہندوستانیوں پر وارد ہوئے اور ان پر حاکم بن بیٹھے "نولکھی کوٹھی" میں علی اکبر ناطق نے اسی استعماریت کی ایک شکل 'ولیم' اور دوسرے انگریز کمشنروں کی شکل میں دکھائی ہے۔ناول میں چار مرکزی کردار ہیں ولیم، غلام حیدر، سودھا سنگھ اور مولوی کرامت۔ان کے علاوہ ضمنی کردار بھی وقت اور ضرورت کے مطابق سامنے آتے ہیں۔ولیم ایک ایسا کردار ہے جو نوآبادکاروں کا نمائندہ ہے اس کے آباؤاجداد کو سرزمین ہندوستان پر راج کرتے ہوئے ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے ولیم کے آباواجداد ایک عرصے تک گوگیرہ نامی علاقے میں آباد رہے۔

اپنے دادا کے قتل کے بعد ان لوگوں کو یہ علاقہ چھوڑنا پڑا۔دادا ہالرائیڈ مقامی لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوا تو ولیم کا باپ جانسن ڈپٹی کمشنر بنا ولیم چونکہ ہندوستان میں پیدا ہوا تھا اس لئے وہ ہندوستان کو اپنا آبائی وطن سمجھتا تھا اس کا بچپن لاہور میں گزرا تھا۔ناطق نے ولیم کے ذہن کی عکاسی ان الفاظ میں کی ہے۔: "اس نے سوچا دیسی لوگوں پر حکومت کرنے میں کتنا مزہ ہے۔ادھر انگلینڈ میں تو کوئی تمیز ہی نہیں۔سب کام اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتے ہیں۔"[۳]

ولیم کی یہ سوچ انگریز سامراج کی سوچ کی عکاس ہے لیکن ولیم کے کردار میں ہمیں بے حسی نظر نہیں آتی دوسرے انگریزوں کی طرح وہ سرد احساسات کا مالک نہیں اس کے دل میں ہندوستان سے محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اگر "ہیلے" سے کی گئی "ولیم" کی گفتگو کا جائزہ لیں تو ولیم کی باتوں سے انگلستان سے بے زاری محسوس ہوتی ہے۔:

"ہیلے دوبارہ بولا، لندن کیسا تھا؟

ولیم نے کاندھے اچکاتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا، وہی پرانی برف، جو قیامت تک رہے گی۔ہیلے کو ولیم کا جواب ناگوار لگا مگر وہ پی گیا۔"[۴]

ولیم کو انگلستان پسند نہیں تھا اس ملاقات کے دوران ہمیں ہیلے کی گفتگو سے انگریز سامراج کی سوچ اور بے حسی کا اندازہ ہوتا ہے۔اس ملاقات کے دوران ہیلے ولیم کی ذہن سازی کرنے کی کوشش کرتا ہے ہیلے چونکہ ولیم سے عہدے میں بڑا ہے اس لئے ہیلے اپنے ماتحت ولیم پر اپنا رعب بھی ڈالنا چاہتا ہے۔اس طرح کی حکمرانی کا اہتمام مغرب کے لئے ہمیشہ مشرق سے ہوا ہے اس مضحکہ خیز افسری اور ماتحتی کی تصویر کپلنگ نے پیش کی ہے : "خچر، گھوڑا، ہاتھی، بیل، اپنے ہانکنے والے کا حکم مانتے ہیں۔اور ہانکنے والا اپنے سارجنٹ اور سارجنٹ اپنے لیفٹیننٹ کا اور لیفٹیننٹ اپنے کپتان کا کپتان اپنے میجر کا اور میجر اپنے کرنل کا کرنل بریگیڈیر کا بریگیڈیئر جنرل کا اور جنرل وائسرائے کا اور وائسرائے ملکہ کا نوکر ہوتا ہے"۔(۵)

اس گفتگو سے انگریز حکمرانوں کے رعب و دبدبے کا اندازہ ہوتا ہے کہ کیسے مقامی باشندوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر انگریز سامراج نے اپنے رعب و دبدبے کے لئے نفسیاتی حربے استعمال کئے تاکہ یہ لوگ اپنے حقوق سے بھی روشناس نہ ہو سکیں۔یہ لوگ مقامی لوگوں کی نفسیات سے خوب واقف تھے اور ان کو جانور کی طرح اپنا تابعدار اور قابو میں رکھنے کے گر جانتے تھے۔اسی طرح ناول جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے انگریز سامراج کی خباثتیں اور نوآبادیاتی نظام کی گرہیں کھلتی جاتی ہیں۔"نولکھی کوٹھی "نوآبادیاتی تناظر میں لکھا جانے والا اہم ناول ہے ایڈورڈ سعید نے اپنی کتاب شرق شناسی میں نوآبایاتی نظام سے متعلق جو بھی معلومات دی ہیں۔اس کی جھلکیاں ہم "نولکھی کوٹھی" میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔انگریز سامراج نے محض سو سال میں مسلمانوں کی ذہنی حالت ایسی ابتر کر دی تھی کہ وہ گوروں کو آسمان سے اتری کوئی مخلوق سمجھنے لگے تھے ۔ایسی مخلوق جو کہ ناقابل تسخیر تھی اور خود کو ان کا غلام تصور کرنے لگے تھے۔ ولیم اپنے اجداد کی طرح انگلستان سے انڈین سول سروس میں منتخب ہو کر فیروز پور میں اسسٹنٹ کمشنر تعینات ہوتا ہے وہ ہندوستان کو اپنا وطن مانتا ہے اس لئے اس علاقے کی ترقی کا خواہاں ہے علی اکبر ناطق نے ولیم کے کردار میں انگریز روایتی سوچ کے ساتھ ساتھ اپنے علاقے کی بہتری کے لئے اس کے اقدامات کو بھی دیکھایا ہے ولیم کو اپنے چار کنال کے بنگلے سے بہت محبت ہے۔جس کی تعمیر پر اس وقت کے نولاکھ خرچ ہوئے تھے اسی لئے یہ بنگلہ نولکھی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے۔یہ وہی کوٹھی ہے جو اوکاڑہ کے قریب نولکھی کوٹھی کے نام سے مشہور تھی ناول نگار نے ناول کا نام ولیم کے دادا ہالرائیڈ کی بنوائی ہوئی اسی کوٹھی کے نام پر رکھا ہے۔:

"دادا کہا کرتے تھے بھلے وقتوں میں اس پر نولاکھ خرچ آیا تھا۔جیسی بنگلے کی شان تھی خیال ہے یہ بھی کم بتاتے تھے انہوں نے اس کا نام نولکھی کوٹھی رکھ دیا۔(۶)

برصغیر ولیم کی جائے پیدائش تھا۔اسے اس کی مٹی کی خوشبو سے بھی عشق تھا۔یہ وہی کوٹھی تھی جس کے قریب میں علی اکبر ناطق کی ملاقات ناول کے مرکزی کردار ولیم کے حقیقی کردار سے ہوئی اور یہی ملاقات آگے چل کر ناول کی تخلیق کا سبب بنی۔ناطق صاحب اپنے فیس بک پیج پر اسی ملاقات کے بارے میں لکھتے ہیں۔:

"یہ ۱۹۹۱ کا زمانہ تھا۔میں کالج سے نکل کر اکثر اکیلا اِس پارک میں چلا آتا اور اُس کی خوبصورتیوں سے لطف اٹھاتا۔اِسی دوران میں نے ایک دن اُسی بوڑھے انگریز کو یہاں دیکھا"(۷)

اس اصل ملاقات کے علاوہ ناطق صاحب ناول "نولکھی کوٹھی" میں ولیم کو پہلی بار دیکھنے کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں۔:

"کچھ لوگ آرے اور کلہاڑیوں سے پیپل کے ارد گرد گڑھا کھود کر اس کے تنے کو کاٹنے کے درپے تھے، جبکہ ایک بوڑھا انگریز اس گڑھے میں بیٹھا،ان کے کام میں رکاوٹ ڈال رہا تھا۔دو آدمی اسے کھینچ کر باہر نکالنے کی کوشش میں تھے۔۔۔۔۔۔اور اسے پنجابی میں سخت سست سنا بھی رہے تھے۔۔۔۔اس عمل میں اس بوڑھے انگریز کا ہیٹ پاس ہی گیلی مٹی میں مڑا تڑا پڑا تھا"(۸)

ناول پڑھتے ہوئے ولیم کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر دل انجانے درد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ولیم نے نولکھی کوٹھی بچانے کے لئے سب کچھ کیا لیکن چاپلوس مولوی کرامت کا پوتا نوازا لحق نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی ولیم سے کوٹھی چھین لی۔اس نے دوسروں کے ساتھ مل کر اپنے محسن کے ارمانوں کا خون کیا۔اگر ہم آج کے خود غرض زمانے کا جائزہ لیں تو آج بھی لوگ اپنے محسنوں کو نوچ ڈالتے ہیں۔بالکل ولیم کے ساتھ یہ ذلت آمیز برا سلوک بھی اسی مولوی کرامت کے پوتے نے کیا جسے ولیم نے زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچایا تھا۔پاکستان بننے کے بعد کے حالات کو علی اکبر ناطق نے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور اس وقت کے حالات کی سچی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے علی اکبر ناطق نے پاکستان کے لئے مخلص،اس کے لیے جانیں قربان کرنے والے اور اس دھرتی سے محبت کرنے والوں کو غلام حیدر، امیر سبحانی کے روپ میں دکھایا ہے۔مخلص لوگوں کے ساتھ ساتھ مولوی کرامت کے بیٹے اور پوتے جیسے کرپٹ اور دوغلے لوگوں کو بھی دیکھایا ہے۔ولیم برصغیر کی مٹی کا عاشق تھا اس دھرتی سے محبت اس کے خون میں شامل تھی۔جس کا بچپن آم کے بور سے لدے ہوئے آموں کی چھاؤں میں بسر ہوا تھا۔اور انگلستان میں بھی آموں کے بور کی مہک نے اسے مہکائے رکھا۔

ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
Volume.7, Issue.2 (2024)
(April-June)

انگلستان میں آٹھ سال رہنے کے باوجود وہ اس سرزمین کے جادو سے نہیں نکل پایا تھا ولیم کی یہ محبت اس کے حاکموں کو کھٹکتی تھی کیونکہ ان حاکموں کا غرور ولیم کو یہ اجازت دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ کہ وہ ہندوستان کی زمین کی محبت میں گرفتار ہو اور برصغیر کے لوگوں کے لئے اپنے دل میں محبت پیدا کرے اپنی اسی محبت اور شاعرانہ فطرت کی وجہ سے اسے ہمیشہ تنبیہ کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک ولیم کی والدہ حنا اور والد جانسن بھی اپنے بیٹے کے فکر مند ہیں جو اپنی حکومت سے زیادہ ہندوستان کا وفادار ثابت ہو رہا ہے۔ انگریز سرکار کی نظر میں مقامی لوگوں کی کوئی اہمیت نہیں وہ خیال کرتے ہیں۔:

"اہل ہند نسلی لحاظ سے نہ سہی تہذیبی لحاظ سے گھٹیا ہیں"(۹)

اسی طرح انگریز کا مقامی لوگوں کی بعض عادات سے چڑ نظر آتی ہے۔ وہ ان مقامی لوگوں کی عادات، طور طریقے اور رسم و رواج وغیرہ کو غلط سمجھتے ہیں۔ اور ان کے حلیے سے نفرت کرتے ہیں۔ جیسے "ولیم" کو مقامی کلرکوں کے حلیے اور ان کے رہن سہن سے چڑ تھی۔ ولیم کو ہندوؤں کی یہ عادت بری لگتی تھی کہ وہ کام چھوڑ کر ولیم کو یک ٹک دیکھنا شروع کر دیتے۔ ولیم کو ان مقامی باشندوں کی اس مشتر کہ عادت سے نفرت تھی وہ ہر چیز جو انگریز سرکار سے تعلق یا واسطہ رکھتی وہ اسے عجوبے کی طرح دیکھتے تھے۔ اور ان کے پیچھے غلط اور بے ہودہ اندازے لگاتے۔ جیسے غلام حیدر کے بارے میں کہ اس کی وائسرائے کی بیٹی کے ساتھ معاشقہ چل رہا ہے۔

ولیم نرم دل انسان تھا۔ وہ مقامی کالوں کے لیے انگریزی سکول قائم کرنا چاہتا تھا کہ ان مقامی باشندوں کی جاہل اولادیں ان انگریزی سکولوں میں پڑھ کر اپنی حالت بہتر کر سکیں۔ اس کام پر وہ خاص طور توجہ دیتا ہے وہ خود سکولوں کا دورہ کرتا ہے۔ بچوں کی اور سکول کی حالت دیکھ کر ولیم کو بہت دکھ پہنچتا ہے۔ ولیم ایک ایسا انگریز کردار ہے جو اپنے افسروں اور باقی انگریزوں سے بالکل مختلف ہے مقامی لوگ اس افسر کو دیکھ بہت حیران ہوتے ہیں جیسے ولیم کو سؤر کا گوشت پسند نہیں۔ غلام حیدر اور سودھا سنگھ کی دشمنی اور ان کی لڑائی جھگڑوں کی خود چھان بین کرتا ہے۔ اس مسئلے کو بطور خاص اہمیت دے کر بھرپور انصاف پر زور دیتا ہے۔ وہ نکمے کام چور پولیس افسروں سے باز پرس کرتا ہے۔ اور پولیس آفیسر لوئس کو یہ معاملات نہ سنبھالنے پر اس کا ٹرانسفر کروا دیتا ہے۔

انگریز سرکار قوانین پر سختی سے عمل کرنے اور کروانے کے اصولوں پر کاربند تھے۔۔ ان کی کامیاب حکمرانی کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ انگریز اپنے قانون پر کبھی سمجھوتا نہیں کرتے تھے۔ اور غریب کے لیے بھی انصاف تھا۔ اسی چیز پر ولیم زور دیتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں اسی چیز کی کمی نظر آتی ہے غریب کو انصاف ملنا ممکن نہیں۔ امیر اور بااثر افراد کے لیے قانون محض ایک کھلونا ہے۔ جسے وہ اپنے فائدے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

ناول میں ولیم ہمیں دو کشتیوں کا سوار دیکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف اس کی حاکمانہ فطرت ہے جو مقامی قانون کے سامنے اسے عظیم انگلستان کی عظمت کے ستون بلند رکھنے پر مجبور کرتی ہے دوسری طرف ہندوستان کی سرزمین ہے جس کی محبت خون بن کر اس کی رگوں میں دوڑتی ہے ناول میں ولیم کبھی برطانوی استعمار کا نمائندہ نظر آتا ہے تو کبھی ہندوستان کی محبت دل میں رکھنے والا دردمند انسان۔ لیکن اس دردمندی میں بھی اسے اپنی عظیم برطانیہ کی عظمت یاد رہتی ہے اسی لئے اکثر مقامات پر اس کی حاکمانہ ذہنیت بھی نمایاں ہوتی ہے۔ جنگ عظیم دوم میں برطانوی سامراج کی گرفت ہندوستان پر کمزور ہونے کے ساتھ تحریک آزادی زور پکڑتی ہے تو دیگر انگریز حاکموں کی طرح 'ولیم' کو بھی ہندوستان اپنے ہاتھ سے جاتا ہوا محسوس ہوتا ہے اس وقت 'ولیم' عجیب کرب اور اذیت سے دوچار ہوتا ہے اس بدلتی صورتحال اور ولیم کی ذہنی حالت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔:

"ولیم" کو اس بات پر شدید غصہ آتا کہ ان کے بڑے اصل میں انگریزوں کو نکال کر اپنی حکومت چاہتے ہیں۔ اُس کے ذہن میں طرح طرح کے اندیشے آنا شروع ہو جاتے۔ وہ سوچتا، کیا یہ ہندوستانی اُسے بھی نکال دیں گے؟"(۱۰)

ہندوستان پر انگریزوں کا کنٹرول ختم ہو رہا تھا۔ 'ولیم' اس بات سے واقف تھا۔ اس کے ہاتھ سے اختیارات ختم ہو رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ہٹلر نے ان کے ملک کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ اور ہندوستان جیسے وسیع علاقے کو ان حالات میں اپنے کنٹرول میں رکھنا مشکل نظر آرہا تھا۔ مسلسل جنگ نے برطانیہ کا دیوالیہ نکال دیا تھا اور یہ ساری صورتحال "ولیم" کے لئے نہ صرف اذیت ناک تھی بلکہ ناقابل برداشت بھی تھی اپنے وطن برطانیہ کی طرح 'ولیم' بھی اپنے اندر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا تھا حکومت ہاتھ سے جانے کا غم اور ہمیشہ کے لئے ہندوستان کو چھوڑ دینے کا اندیشہ جیسے حالات نے مل کر 'ولیم' کے چڑچڑے پن میں مسلسل اضافہ کر دیا تھا۔ ولیم کی ذہنی حالت اس وقت قابل رحم ہو گئی جس وقت انگریز سامراج کی جانب سے اسے ہندوستان چھوڑنے کے لئے احکامات ملے۔ وہ ہندوستان چھوڑ کر جانے کے لئے بلکل رضامند نہ تھا اس لئے اس حقیقت کو قبول کرنا کہ ان کے اقتدار کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ ولیم بُری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے کے بعد اسکا ذمہ دار انگریز سامراج اور مقامی باشندوں کو قرار دیتا ہے۔ ناول نگار نے ولیم کی بدلتی ہوئی ذہنی کیفیت کا تجزیہ ایک ما

ہر نفسیات کی طرح کیا ہے علی اکبر ناطق نے ولیم کے پس منظر میں انگریز سامراج کی ذہنیت کو اجاگر کیا ہے جس کا شکار برطانوی حکومت کا ہر فرد تھا جو حکومت کو اپنے ہاتھ سے نکلتے محسوس کر رہا تھا اور بے بس تھا۔:

"ان حالات میں ولیم کی ذہنی کیفیت اتنی تبدیل ہو گئی کہ قریب جاننے والوں کو اس پر شبہ ہونے لگا، کہیں پاگل نہ ہو جائے۔ بات بات پر الجھنا، احکام دیتے ہوئے تحمل کو چھوڑ بیٹھنا اور بعض اوقات سامنے والے کو گالی بھی دے دینا ولیم کی عادات میں شامل ہو رہا تھا"(۱۱)

نوآبادیاتی دور کے دوسرے کرداروں کی طرح ولیم بھی ایک طویل وقت تک شدید تذبذب میں رہا کہ وہ کیتھی اور اپنے بچوں کے ساتھ اپنے اجداد کے وطن برطانیہ واپس چلا جائے یا باغات اور نہروں کی سرزمین ہندوستان میں ہی اپنا بڑھاپا گزارے جیسے اس کے جوانی اور بچپن کے دن گزرے۔ جہاں اس کے باپ دادا مدفن تھے۔ اپنی محبوب بیگم کیتھی کی وجہ سے وہ پریشانی میں تھا کہ ان کا ساتھ ولیم سے چھوٹ جائے گا۔ ولیم کی چڑچڑاہٹ اور اس کے غصے کو دیکھتے ہوئے کیتھی پریشان تھی کہ آخر ولیم کیا فیصلہ کرے گا۔ وہ خود بھی لندن جانے کی تیاری کرتی ہے وہ ولیم سے اس کی پریشانی کی وجہ بار بار پوچھتی ہے لیکن ولیم اسے اپنی پریشانی اور اپنے ارادوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا۔ وہ کیتھی کے مشوروں، نصیحتوں اور تسلیوں سے ڈرتا ہے اور آخر وہ کیتھی کو اپنے دل کی بات کہہ دیتا۔ نولکھی کوٹھی کے مقابلے پر آگرہ کے تاج محل کی بھی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں۔ وہ کہتا ہے۔:

"بس یہ میرا گھر میری سلطنت ہے۔ میں اپنی اس سلطنت کو نہ لندن کے عوض بیچ سکتا ہوں اور نہ میں اس کے مقابلے میں اپنے دوسرے محبوب کا گناہ معاف کر سکتا ہوں کیتھی میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ کبھی نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ لندن کی مٹی مجھے نہیں جانتی، نہ اس کی سرد ہواؤں سے مجھے رغبت ہے میں یہاں پیدا ہوا ہوں یہیں مروں گا اس کے بعد ولیم نے کیتھی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور دوبارہ بولا یہ ہے میری تکلیف اور المیہ "(۱۲)

ولیم کا فیصلہ سننے کے بعد کیتھی افسردہ ہو کر ولیم کو تلخ حقائق سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتی تاج برطانیہ کا ہندوستان چھوڑ جانے کے بعد اس کی حیثیت صفر ہو جائے گی ۔ولیم کی اپنی زمین سے محبت اسے ہندوستان نہ چھوڑنے پر مجبور کرتی ہے آخر ولیم کے انکار پر کیتھی اپنے بچوں کو لے کر اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر انگلستان چلی جاتی ہے تقسیم کے بعد ولیم کی ہزار کوششوں کے باوجود اس کی کمشنری بحال نہیں ہوتی یہاں ولیم کو ان مقامی لوگوں کی بے وفائی کا سامنا ہوا جن کی نسلوں تک کی اس نے زندگی سنواری تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ولیم کو کیتھی اور بچوں کی یاد بھی ستاتی ہے مگر ولیم ان کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا۔ برسوں گزرنے کے بعد بوڑھے ولیم کی حالت قابل رحم ہو جاتی ہے۔ اس کے پاس نہ نوکری تھی نہ کوئی اور ذریعہ آمدن۔ اس لئے علاقے کے لوگ کھانا بھیج دیتے تو کھا لیتا۔ اگر نہ بھیجتے تو دو دو دن تک بھوکا رہتا۔ اب ولیم صرف شکل کا انگریز تھا اپنی عادات و خصائل میں وہ مکمل مقامی باشندے کا روپ دھار چکا تھا۔:

"چند لمحوں بعد وہی آدمی چائے اور روٹی اور روکھا سوکھا سالن، جو آلوؤں کی بھجیا پر مشتمل تھا، لے کر آ گیا۔ ولیم نے عین پنجابیوں کی طرح چارپائی پر چوکڑی مار کر کھانا شروع کر دیا "(۱۳)

ولیم اپنے اس حال میں بھی خوش تھا۔ ضیاء الحق کے دور میں وہ نولکھی کوٹھی جس کی محبت میں گرفتار ہو کر ولیم اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ چکا تھا اس سے چھین لی جاتی ہے۔ نواز الحق نامی اسسٹنٹ کمشنر جو کہ مولوی کرامت کا پوتا تھا جس مولوی کرامت اور اس کی نسلوں کو ولیم نے زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا تھا اسی مولوی کے پوتے نے سب کچھ جانتے بوجھتے محض اپنی ترقی کے لئے ایک مذہبی اور سیاسی شخصیت پیر شمس الحق کے نام الاٹ کرا دیتا ہے اور ولیم اپنے دوست ایشلے کے بھوت بنگلہ کوٹھی میں شفٹ ہو جاتا ہے۔ ولیم ایسا کردار ہے جو بچپن اور جوانی عیش و عشرت میں گزارتا ہے لیکن بوڑھاپا کسمپرسی کی حالت میں گزارتا ہے۔ ناول کے اختتام پر ولیم کی موت قاری کو خاموش اداسی میں دھکیل دیتی ہے ناطق صاحب ولیم کے کردار کو اساطیری کردار کہتے ہیں۔

ولیم کے ساتھ یہ سلوک اور کسمپرسی کی دیکھ کر دل افسردہ ہو جاتا ہے ولیم کی موت کے بعد دل نہ محسوس درد اور تکلیف میں گھر جاتا ہے۔ ولیم کے کردار سے ہم ناول پڑھنے کے دوران ہمدردی محسوس کرتے ہوئے ناول کے آخر تک محبت کرنے لگتے ہیں۔ ہماری تاریخ کے واقعات گوروں کی اس محبت کے آئینہ دار ہیں جس میں وہ گرفتار ہوئے۔ وہ ہندوستان کی محبت کے اسیر تھے یہ محبت ہمیں بہت سی انگریزی داستانوں میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے جیسے ولیم ڈیلر مپل کے ناول وائٹ مغل میں نظر آتی ہے یہی محبت ناطق صاحب ولیم کے کردار کے ذریعے نولکھی کوٹھی میں قلم بند کی ہے یہ داستانیں بھی ہماری تاریخ میں اسی طرح حصہ دار ہیں جس طرح گوروں کے ظلم و ستم کی داستانیں۔

GUMAN
ISSN Online : 2709-4162
ISSN Print : 2709-4154
Volume.7, Issue.2 (2024)
(April-June)

ناول میں علی اکبر ناطق کہانی کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ تمام واقعات کڑی سے کڑی ملاتے ہوئے باہم مربوط کر دیتے ہیں۔ وہ ناول کو ایسے لکھتے ہیں۔ کہ ناول پڑھتے ہوئے ہمیں ایسا محسوس ہوتا جیسے ناطق خود ہر کردار کے ساتھ شروع سے آخر تک موجود تھے اور تمام واقعات انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں ہیں اور قاری خود کو ناول میں ایک تماشائی کے طور پر محسوس کرتا ہے ناول جیسے جیسے اختتام کی طرف جاتا ہے سب سے بڑا دھچکا غلام حیدر کی شہادت پر لگتا ہے۔ ناول کے شروعات میں ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ ناول میں ہجرت تقسیم اور تقسیم کے بعد کے واقعات بیان کیے جائیں گے لیکن ہجرت کے خونی واقعات پڑھ کر یہ ناول ہمارے مہاجرین کی جدوجہد اور قربانیوں کی یاد تازہ کروا دیتا ہے۔ ناول کی بناوٹ تخیل اور حقیقت کی آمیزش پر ہے۔

کہانی میں خوشی کے عناصر کو کم کم بیان کیا گیا ہے ناول اپنے اختتام سے پہلے ہی دل کو نامعلوم اداسی اور درد میں ڈبو دیتا ہے۔ ولیم کی موت اور دردناک انجام سے ناول نگار کی حساس طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ناول کا اختتام پڑھ کر دل میں یہ شعر گونج اٹھتا ہے۔:

ان اجڑی ہوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا
ہے جی میں وہیں جا بسیں ویرانہ جہاں ہو (۱۴)

علی اکبر ناطق کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی یہ رائے رکھتے ہیں۔:

"ناطق کی نثر سے مکالمہ اور بیانیہ کے نامانوس گوشوں پر ان کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔" (۱۵)

انہوں نے ناول میں جو زندگی پیش کی ہے یعنی تقسیم سے کچھ عرصہ پہلے انگریز، مسلمان ہندو اور سکھ کی مشترکہ زندگی وہ حقیقت سے قریب تر ہے۔ ناول پڑھنے کے دوران قاری اسی دور میں پہنچ کر اسی دور کے حالات کا جائزہ خود اپنی آنکھوں سے لیتا ہے۔ ناول قاری کو ٹھیک ایک صدی پیچھے لے جا کر اسے اِسی ماحول کی خوبصورتی میں گم کر دیتا ہے ناول میں ان کی ذاتی شخصیت تجربہ باریک بینی اور گہرا مشاہدہ دیکھنے کو ملتا ہے وہ اپنی گہری فکر کی بنا پر ناول میں وہی زبان استعمال کرتا ہے جو ناول کے ماحول اور کرداروں کے عین مطابق ہے۔ ناطق صاحب نے ناول میں برصغیر کی تہذیب وثقافت کو مکمل جزئیات کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ناول میں غلام حیدر ایک لازوال کردار ہے یہ کردار ٹیپو سلطان کی یاد تازہ کرواتا ہے جو اپنی رعایا کا دکھ درد اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ غلام حیدر ایک بڑے زمیندار شیر حیدر کا بیٹا ہے۔ شیر حیدر اپنے علاقے کا بڑا زمیندار تھا جلال آباد کے تین گاؤں اس کی ذیلداری میں تھے ان علاقوں کے بڑے زمیندار زیادہ تر سکھ تھے مسلمان کم زمینوں کے مالک تھے یا مزارع تھے شیر حیدر لڑائی جھگڑوں کی بجائے صلح صفائی سے کام لیتا تھا شیر حیدر کا بڑا دشمن سودھا سنگھ تھا یہ دشمنی دو نسلوں سے چلی آ رہی تھی۔ یہ دشمنی شیر حیدر اور سودھا سنگھ کو وراثت میں ملی اب شیر حیدر کی وفات کے بعد غلام حیدر کو خود بخود منتقل ہو گئی برصغیر کے دور کی ایسی دشمنیاں ہمیں آج بھی مختلف علاقوں میں نظر آتی ہیں وراثتی دشمنی کے آئے دن نئے نئے کیس سامنے آتے ہیں۔ غلام حیدر کے والد کی سوچ روایتی زمینداروں سے مختلف تھی چار ہزار ایکڑ رقبے کا مالک ہونے باوجود غلام حیدر کو اپنے ماحول سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ علی اکبر ناطق نے غلام حیدر کو بڑا مضبوط دکھایا ہے۔ جس میں کوئی اخلاقی برائی بھی نہیں۔ جو اپنے علاقے کے باسیوں میں چھوٹوں بڑوں سب کا خیر خواہ ہے جو مشکل وقت آنے پر سب کو سنبھالتا ہے اپنے لوگوں کے قتل کا بدلہ لیتا ہے۔ اور خونی ہجرت کے دوران اپنے لوگوں کے لیے شہید ہو کر لازوال کردار بن جاتا ہے۔

مولوی کرامت کے ذریعے برصغیر کے دور کے مولویوں اور غریب طبقے کے لوگوں کے حالات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ مولوی کرامت امام مسجد ہے گاؤں کے لوگ بھی انتہائی غریب ہیں اس لئے مولوی کرامت کی جیب اکثر خالی رہتی ہے۔ شادی بیاہ، فوتگی، عید اور گندم کی کٹائی پر کچھ گندم مولوی کرامت کو گاؤں والوں کی طرف سے مل جاتی تھی۔ اگر ہم آج بھی پاکستان کے دیہاتوں کا حال دیکھیں تو آج کے دور کے مولوی حضرات کی روٹین اور حالات مولوی کرامت جیسے ہی نظر آتی ہے۔ گاؤں کی مساجد میں مولوی حضرات کے لئے کوئی تنخواہ نہیں ہوتی یہ لوگ گاؤں والوں کی مدد سے اپنا خرچہ پانی نکالتے ہیں۔ مولوی کرامت کی پوری کہانی آج کے دور کی کہانی محسوس ہوتی ہے۔ آج بھی چاپلوس افراد اپنے ساتھ کے افراد سے بہت آگے نکل جاتے ہیں۔ فضل دین کی کہانی الاٹمنٹ کی حقیقت کھولتی ہے۔ کہ کس طرح لٹ پٹ کر اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آنے والے مہاجرین اپنی زمینوں اور جائیدادوں سے محروم کئے گئے اور اس خونی تقسیم میں فائدہ کس کا ہوا۔ آج کے اشرافیہ کی اصل حقیقت کیا ہے اس ملک کے اصل حقدار کون تھے۔ مولوی کرامت جیسے خاندان ملک پاکستان کے مالک بنے بیٹھے ہیں غلام حیدر اور ان جیسے لاکھوں مہاجرین اپنا سب کچھ کھونے کے بعد بھی خالی ہاتھ ہیں۔

نواز الحق اور فضل دین جیسے کرداروں میں ہمیں گہرا طنز نظر آتا ہے۔اصل عبرت کا نمونہ پورے ناول میں ہمیں ولیم نظر آتا ہے۔اتنے عروج کے بعد اس کا زوال دیکھ کر قاری کو بھی ولیم سے ہمدردی ہو جاتی ہے۔اتنے وسیع کینوس پر پھیلے ناول کو اختتام کی طرف لانے کے لئے ناول نگار خود واحد متکلم کے کردار میں پیش ہوتا ہے۔ جس کی ملاقات اس انگریز بوڑھے سے ہوتی ہے وہ شہزاد لالہ نامی دوست کے ساتھ ولیم کی کوٹھی دیکھنے جاتا ہے اسے ولیم سے ملنے کے بعد لوگوں کی ولیم کے ساتھ بے حسی کا احساس ہوتا ہے۔ولیم کی بے بسی اس وقت بھی دیکھنے کو ملتی ہے جب ولیم سے اس کی نولکھی کوٹھی خالی کروانے مجسٹریٹ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ آتا ہے۔

یہ ناول ایک تاریخی گیلری کی طرح ہے اس ناول میں تقسیم سے پہلے کے ثقافتی و تہذیبی روایات،سیاسی سماجی معاملات ، سکھ مسلم فسادات ہجرت کا غم،روایتی دشمنی ،انگریز سامراج کا ہندوستان میں زوال،بے حسی،نو آبادیاتی اور مابعد نو آبادیاتی نظام کی جھلکیاں،ناانصافی غرض علی اکبر ناطق نے تقسیم سے پہلے اور بعد کے حالات کو بڑی خوبصورتی سے الگ الگ انداز فکر سے سمو دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ ناول اپنے ہم عصر ادبی تحریروں میں ایک الگ مقام رکھتا ہے ناول پر تبصرہ کرتے ہوئے مبشر علی زیدی لکھتے ہیں:

"ان کے پہلے ناول نولکھی کوٹھی نے اردو فکشن میں ان کے بلند مقام کا تعین کر دیا ہے۔ناطق ہمارے ہی دور کے نوجوان ہیں اس لیے ناول پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے کتنی خوبی سے انگریز سرکار کے نمائندوں کی ذہنیت، سکھ رعایا کی معاشرت اور مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی کی ہے"(۱۶)

علی اکبر ناطق نے نولکھی کوٹھی میں تاریخ کو اس طرح دکھایا ہے جس ہم مسلمان صرف مظلوم نہیں اور انگریز جابر اور ظالم نہیں بلکہ انھوں نے ہماری کوتاہیوں اور انگریز سرکار کے ہندوستان سے محبت رکھنے والے بعض نمائندوں کو دیکھا کر تاریخ کو ایک الگ اور سچے زاویہ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔۔رفیعہ شبنم عابدی،پروفیسر،مرتبہ،معاصر اردو ناول،(ممبئ: قلم پبلی کیشنز،۲۰۰۱)،ص:۹۱
۲۔اسامہ صدیق،فرنٹ فلیپ،مشمولہ،نولکھی کوٹھی،از علی اکبر ناطق،(جہلم: بک کارنر،۲۲۲۰ء)
۳۔علی اکبر ناطق،نولکھی کوٹھی،ص:۱۰
۴۔ایضاً،ص:۳۱
۵۔ایڈورڈ ولیو سعید،شرق شناسی،مترجم،محمد عباس،(اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۲۰۱۲ء)،ص:۳۵
۶۔علی اکبر ناطق،نولکھی کوٹھی،ص:۱۱
۷۔ Ali Akbar Natiq - نولکھی کوٹھی لکھنے کا خیال کیسے آیا نولکھی Facebook | ... ۲۰۲۳-۱-۱۵،صبح ۱۰:۳۰
۸۔علی اکبر ناطق،نولکھی کوٹھی،ص:۲۳۴
۹۔ایڈورڈ ولیو سعید،شرق شناسی،مترجم محمد عباس،ص:۱۶
۱۰۔علی اکبر ناطق،نولکھی کوٹھی،ص۳۳۸
۱۱۔ایضاً،ص:۳۴۳
۱۲۔ایضاً،ص:۳۶۹
۱۳۔ایضاً،ص:۱۳۴
۱۴۔علی اکبر ناطق،فقیر بستی میں تھا،(جہلم: بک کارنر،۲۰۲۲ء)،ص:۶۴
۱۵۔شمس الرحمٰن فاروقی،بیک فلیپ ، مشمولہ،نولکھی کوٹھی،از علی اکبر ناطق
۱۶۔مبشر علی زیدی،بیک فلیپ،مشمولہ،نولکھی کوٹھی،از علی اکبر ناطق